© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

باخبر اصحاب جانتے ہیں کہ انگریزوں کے عہد حکومت میں انگریز مؤرخین نے ہندوستان کی جو تاریخیں لکھیں ان کا مقصد، خود ایلیٹ کے اعتراف کے مطابق مسلمان بادشاہوں کو فرضی اور مبالغہ آمیز بیانات کے ذریعہ بدنام کرنا تھا تاکہ ہندو انگریزی حکومت کو اپنے لیے خیر و برکت سمجھیں اور دل سے اس کی قدر کریں، ملک کی تقسیم اور اس کے طبعی اثرات و نتائج کے باعث آزادی کے بعد جو تاریخیں لکھی گئیں باستثنائے چند ان میں بھی ہندوستان کے اسلامی عہد کے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ چنانچہ مسلمان جماعتوں اور اداروں کی طرف سے وقتاً فوقتاً اس پر احتجاج ہوتا رہا ہے اور اس احتجاج کی معقولیت کو خود حکومت نے بھی تسلیم کیا ہے لیکن گذشتہ دس بارہ برس سے تاریخ نگاری میں ایک نیا رجحان کمیونسٹ طریق فکر کا نمایاں ہوا ہے، اس میں ہندو اور مسلمان کا فرق نہیں، بلکہ خود نام کے بعض مسلمانوں نے ایسی کتابیں لکھی ہیں جن میں حضرت مجدد الف ثانی کا مذاق اڑایا گیا، شاہ ولی اللہ دہلوی کو تنگ نظر اور قدامت پرست کہا گیا اور اس کے بالمقابل اکبر کے دین الٰہی کو سراہا گیا ہے، اس مکتبۂ فکر کے مورخین ایک منظم اور مربوط منصوبہ کے ماتحت اس بات کی برابر کوشش کر رہے ہیں کہ ہندوستان کے اسلامی عہد میں مسلمانوں نے جو عظیم الشان تہذیبی اور ثقافتی کارنامے انجام دیئے ہیں وہ تاریخ کی مادی تشریح (DIALECTICAL METHOD) کے گرد و غبار کے نیچے دب کر اپنی آب و تاب کھو بیٹھیں، ظاہر ہے یہ طرز عمل نہ ملک کی خدمت ہے اور نہ قوم کی، اس سے تاریخ بنتی نہیں بگڑتی ہے، اس سے تعمیر نہیں ہوتی تخریب ہوتی ہے، اس لیے سخت ضرورت تھی کہ اس رجحان کی مقاومت کی جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بڑی مسرت کی بات ہے کہ برصغیر کے بلند پایہ محقق اور مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ابھی گذشتہ ماہ فروری میں انڈین ہسٹری اینڈ کلچر سوسائٹی کے دوسرے سیشن کے صدر کی حیثیت سے جو فکر انگیز خطبہ پڑھا ہے اس میں اس ذہنیت کو اور اس کے مذموم اثرات کو بڑی جرأت سے بے نقاب کیا ہے، اس سیشن میں موضوع بحث دو چیزیں تھیں:

(۱) ہندوستانی تاریخ نگاری میں عصبیت، اور (۲) تاریخ کے مآخذ۔ ان دونوں تک اپنی گفتگو کو محدود رکھتے ہوئے پہلے موصوف نے آزادی سے پہلے اور اس کے فوراً بعد کی تاریخ نگاری اور اس کی خصوصیات کا جن کی طرف ہم نے ابھی اشارہ کیا ہے، جائزہ لیا ہے اور اس کے بعد جب تیسرا دور شروع ہوا تو اس کے متعلق لکھتے ہیں: یہ دوسرا دور رو بہ زوال تھا کہ "تاریخ بغیر نظریہ کے نہیں ہو سکتی" کا نعرہ لگا اور اس نعرے کے علمبرداروں نے اس درجہ تعصب برتا کہ جو لوگ ان کے ہمنوا نہیں تھے اُن کو ان لوگوں نے فرقہ پرست، تنگ نظر، اور رجعت پسند جیسے القاب سے موسوم کرنا شروع کر دیا، انھوں نے یہ حقیقت نظر انداز کر دی کہ ہر ملک کے لوگوں کی کچھ روایات ہوتی ہیں جو ان کی تاریخ اور ان کی تاریخ کا مآخذ بنتی ہیں، ان روایات میں مذہب بھی شامل ہے جو ایک نہایت قوی عنصر اور محرک ہے۔ اس بنا پر تاریخ کو محض مادی نقطۂ نظر سے بیان کرنا اور مذہب، روایات اور کلچر ایسے اہم اور قوی عناصر کو نظر انداز کر دینا تاریخ کے ساتھ انصاف نہیں ظلم ہے۔

اس پر بہت واضح اور مدلل گفتگو کرنے کے بعد پروفیسر نظامی نے مابعد الطبعیاتی تنقید اور مادی نقطۂ نظر کی چند دلچسپ مثالیں بیان کی ہیں، آپ بھی ملاحظہ کیجیے لکھتے ہیں: مثلاً یہ کہنا کہ محمود غزنوی نے اقتصادی اسباب کے باعث ہندوستان پر حملہ کیا۔ درست ہے، اس میں یہ اضافہ کرنا بھی صحیح ہے کہ غزنوی نے مندر تباہ کر دیئے، لیکن تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک واقعہ کا یہ جز بھی نہ بیان کیا جائے کہ محمود غزنوی کے معاصر شیخ ابوالحسن بولانی جو بلند پایہ صوفی تھے، جب سلطان نے ان کی خدمت میں سومنات سے حاصل کیا ہوا سونا بطور نذر پیش کیا تو شیخ نے اس کے قبول کرنے سے یہ کہہ کر انکار فرما دیا کہ سلطان کی مہم پیغمبر اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں تھی، اسی طرح غزنوی کی ہندوستان میں مہم کی تاریخ اس وقت مکمل ہوگی جب یہ بھی بیان کیا جائے کہ شیخ سعدی نے محمود کو حریص اور طامع لکھا ہے اور اس کے معاصر البیرونی نے کہا ہے کہ غزنوی کے حملوں نے ہندوستان میں اسلام کے خلاف نفرت پھیلا دی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اسی طرح یہ تسلیم ہے کہ اکبر ایک عظیم بادشاہ تھا جو مغل بادشاہت کو ہندوستانی قومیت کا رنگ دینا چاہتا تھا۔ لیکن رانا پرتاپ نے اکبر کے خلاف جو جنگ کی اور بادشاہ کے مذہبی پیشوا ہونے کے دعوے کے خلاف ہندو اور مسلمان دونوں نے جو اظہار بیزاری کیا تھا اس سے صرف نظر کرنے کی کیا وجہ ہے؟۔ اسی طرح اورنگ زیب عالمگیر کی شیعہ دشمنی کو بڑے طمطراق سے بیان کیا جاتا ہے، لیکن یہ حقیقت نظر انداز کر دی جاتی ہے کہ سلطان کے چار وزیروں میں سے تین وزیر شیعہ تھے اور ایک وزیر ہندو تھا۔

اسی سلسلے میں پروفیسر نظامی لکھتے ہیں، آج کل مارکسی نقطۂ نظر کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کی تحریک رجعت پسندانہ تھی، یہ حضرات اس حقیقت کو فراموش کر جاتے ہیں کہ حضرت مرزا مظہر جانجاناں، جنہوں نے ہندوؤں کو اہل کتاب اور وید مقدس کو الہامی کتاب لکھا ہے وہ حضرت مجدد ہی کے روحانی سلسلے کے ایک فرد فرید تھے۔ نیز یہ کہ دارا شکوہ جو نہایت آزاد منش تھا اس نے حضرت مجدد کی اتنی اور ایسی تعریف لکھی ہے جو کمیونسٹ مورخین کی فہم سے بلند وبالا ہے۔"

غرضکہ پورا خطبہ نہایت برمحل اور فکر انگیز ہے، 'برہان' پروفیسر نظامی کو ترقی پسندی کے صومعہ میں حق کی اس اذان پر مبارکباد پیش کرتا ہے۔

بڑے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ ہمارے عزیز دوست جناب سید محبوب رضوی صاحب اچانک ۲۵ مارچ کو راہی ملک بقا ہو گئے۔ مرحوم نے اچھے خاصے ظہر کی نماز چھتے کی مسجد میں ادا کی فراغت کے بعد سینہ میں کچھ درد سا محسوس ہوا فوراً ایک رکشا کر کے گھر روانہ ہوئے لیکن ابھی گھر پہونچے بھی نہ تھے کہ مرغ روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد ہمہ تن دارالعلوم کی خدمت کے لئے وقف ہو گئے۔ انھوں نے مختلف دفتری خدمات بڑی دیانت، محنت اور قابلیت سے انجام دیں انکو مطالعہ تحقیق اور تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق قدرت کی طرف سے عطا ہوا تھا وہ دیوبند کے مایۂ ناز ادیب محقق مؤرخ اور مصنف تھے آنکا آخری شاندار کارنامہ تاریخ دارالعلوم دیوبند کی دو جلدیں ہیں عادات و فضائل کے اعتبار سے نہایت دیندار عابد و زاہد معاملہ فہم خوش اخلاق اور دیانت دار تھے اس میں شبہ نہیں کہ انکی وفات دارالعلوم کا ایک عظیم نقصان ہے۔ اللھم اغفرلہ وارحم

© rasailojaraid.com